© rasailojaraid.com

تاثرات

خدا خدا کر کے ہمیں چین کا سانس لینا نصیب ہوا۔ ملک کی کشتی کے ناخدا سر جوڑ کر بیٹھے۔ ایک دوسرے کو سمجھنے کی کوشش کی اور آخر ان نتائج تک پہنچے جن پر عمل پیرا ہونے سے سیاسی تعطل دُور ہونے کے امکانات روشن ہوئے۔ خدا کرے کوئی ایسی صورت پیدا ہو جائے کہ حالات پہلے سے زیادہ سازگار ہو جائیں اور ملک ترقی کی طرف اطمینان سے گام زن ہو سکے۔

المعارف کا ستمبر اکتوبر کا مشترکہ شمارہ اقبال نمبر ہوگا۔ قارئین نوٹ فرمالیں اور مضمون نگار حضرات اپنے مضامین بھیج کر ممنون فرمائیں۔

اقبال ہماری عظیم ترین، علمی، فکری اور سیاسی متاع ہیں۔ وہ مشرق اور مغرب کے فلسفوں سے واقف اور عہدِ حاضر کے علوم و مسائل سے باخبر ہیں۔ ان کی فلسفیانہ شاعری اردو کے شعری سرمائے میں ایک نئی آواز ہے۔ وہ ایک ایسے تہذیبی اور سیاسی نظریے کے بانی ہیں جس نے پاکستان کو جنم دیا ہے۔ تاریخ کوئی ایک مثال بھی ایسی پیش نہیں کر سکتی جس میں کسی مفکر کے سیاسی تصور نے دیکھتے ہی دیکھتے ٹھوس حقیقت کی شکل اختیار کر لی ہو۔ یہ سب باتیں ہمیں اقبال کی شخصیت سے اتنا مرعوب کر دیتی ہیں کہ ہم ان پر سوچنے کا کام دوسروں کے سپرد کر کے ذہنی طور پر ان کی تعریف سے مطمئن ہو جاتے ہیں، اور ہر سال ایسے مضامین کی تعداد بڑھتی جاتی ہے جن میں چبائے ہوئے نوالوں کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔

ہمارے دوست سلیم احمد صاحب نے حال ہی میں ایک مضمون "اقبال، اقبالیات اور ہم" کے زیر عنوان فنون کے اگست ستمبر ۱۹۷۶ء کے شمارے میں لکھا ہے، جس میں انھوں نے اقبال پر سچائی سے کچھ نہ سوچنے کی مندرجہ ذیل وجوہ بیان فرمائی ہیں۔ ان پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔

۱۔ سیاست کی مصلحت تو ایک بات ہوتی ستم بالائے ستم یہ ہوا ہے کہ اقبال جیسی آفاقی شخصیت کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مخصوص علاقے سے اس طرح وابستہ کر دیا گیا کہ اقبال کی شخصیت اس مخصوص علاقے کے سیاسی مفادات کی ایک علامت بن گئی۔ اقبال کے معنی ہوتے ہیں پنجاب اور پنجاب کے اسلام اور اردو کی طرح پنجاب کے اقبال کو بھی پنجاب کی سیاسی اور معاشی بالادستی کا مظہر سمجھا جاتا ہے۔ مشرقی پاکستان میں اقبال کے خلاف ردِ عمل کی وہ شکل جو پہلے نذر الاسلام کو آگے بڑھانے میں ظاہر ہوئی۔ پھر ضد م ضد کے طور پر ٹیگور پرستی تک پہنچی۔ اس کے پیچھے یہی تصور کام کر رہا تھا۔ حالانکہ نذر الاسلام اور اقبال کا مقابلہ سورج اور چراغ کے مقابلے سے بھی زیادہ مضحکہ خیز چیز ہے۔ بعد میں سندھ میں بھی بعض ایسے رجحانات ظاہر ہوئے جن میں پنجاب دشمنی کا اظہار اقبال دشمنی کی شکل میں کیا گیا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ اصل چیز اقبال نہیں پنجاب ہے۔ یا تو ہم پنجاب کے ڈر سے اقبال کے بارے میں چپ سادھ لیتے ہیں یا پھر پنجاب کے ساتھ اقبال کو بھی رد کر دیتے ہیں، ایک ایسی قوم جس نے اقبال جیسی شخصیت پیدا کی ہو اپنے ساتھ اس سے بڑا ظلم اور کیا کر سکتی ہے؟

۲۔ اقبال کے بارے میں ہم ابھی مداحی کے رویے سے آگے نہیں بڑھے۔ جبکہ اندر ہی اندر ہم مخالفت سے بھی زیادہ ایک خطرناک رجحان کا شکار ہو رہے ہیں یعنی لاتعلقی کا۔ اقبال جیسی شخصیت سے لاتعلق ہو کر ہم اپنے انفرادی اور اجتماعی وجود کے کن کن حصّوں سے لاتعلق ہو جائیں گے؟ یہ بات شاید ہمارے ذہن میں ابھی نہیں آئی۔ اس سلسلے کی آخری بات یہ ہے کہ اقبال پر کچھ سوچنے کی اہلیت ہمارے اندر اس لیے مفقود ہوتی جا رہی ہے کہ ہم خود اپنے بارے میں سوچنے کی صلاحیت سے محروم ہو گئے ہیں، ہم اقبال کے موضوعات پر بات کرتے ہیں۔ ان کے خیالات کو دہراتے ہیں مگر اپنے آپ سے یہ سوال کبھی نہیں پوچھتے کہ ان خیالات کا ہم سے، ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی سے کیا تعلق ہے اور اقبال کا تجربہ ہمارے لیے کوئی معنی رکھتا ہے یا نہیں؟ اس طرح اقبال کے خیالات اور تجربات ہمارے خون گرم کا حصہ نہیں بنتے اور ہم ان کے بارے میں صرف باتیں بنا کر رہ جاتے ہیں۔

۳۔ اقبال کے بارے میں سب سے زیادہ لاتعلقی اس طبقے میں پائی جاتی ہے جسے اقبال سے سب سے زیادہ تعلق ہونا چاہیے تھا یعنی تخلیقی فن کار۔ اردو شاعری کی روایت میں کم و بیش تمام اہم شعرا کے اثرات موجودہ شاعروں تک پہنچے ہیں لیکن ہمارے شعرا کے تخلیقی وجدان نے اقبال کے اثرات قبول نہیں کیے۔

۴۔ اقبال پر اب تک جو کچھ لکھا گیا ہے اس کا نوے فیصد حصہ اقبال کے خیالات و نظریات کی تشریحات پر مشتمل ہے۔ ان تحریروں میں دو بنیادی نقائص پائے جاتے ہیں۔ پہلا نقص یہ کہ یہ تحریریں عموماً اقبال کی شاعری کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

زیرِ بحث نہیں لاتیں۔ دوسرا نقص یہ کہ ان میں اقبال کے خیالات و نظریات کو بنی بنائی چیزوں کی طرح پیش کیا جاتا ہے۔ اقبال کے تقریباً سارے شارحین اقبال کے خیالات کی عمومیت کو تو ظاہر کرتے ہیں لیکن ان کی انفرادیت کو نظر انداز کر دیتے ہیں حالانکہ ادبی تنقید کے لیے سب سے زیادہ اہم چیز انفرادیت ہے۔ یہ خیالات اگر ہمارے لیے کوئی اہمیت رکھتے ہیں تو اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ان کے ذریعے اقبال نے بڑی شاعری پیدا کر کے دکھائی ہے۔ ہم اقبال کے فلسفے، اقبال کے خیالات کو سمجھنے کی کوشش بہت کر چکے۔ اب ہمیں اقبال کی شاعرانہ واردات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

ہم اقبال کو اب تک باہر سے دیکھنے کی کوشش کرتے آئے ہیں۔ اقبال نے خودی اور بے خودی کے بارے میں کیا لکھا ہے۔ اقبال عقل اور عشق کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ جمہوریت اور اشتراکیت کے بارے میں اقبال کا کیا نظریہ ہے؟ لیکن اقبال کے خیالات کا خود اقبال کے وجود سے کیا تعلق ہے؟ اس بارے میں ہم نے کبھی ایک لمحہ بھی سوچنے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ آخر وہ کیا انسان تھا جسے نہ وصل نے شاد کیا نہ ہجر نے ناشاد۔ جو نہ کسی ساعدِ سیمیں کو ہاتھوں میں لے کر چھوڑنے پر پچھتایا نہ کسی کو لبِ بام "زلفِ سیاہ رخ پہ پریشاں کیے ہوئے" دیکھ کر ہوس ناک ہوا۔ وہ بے تاب ہوا تو قوم کے غم میں، نغمہ سرائی پر آمادہ ہوا تو سورج کو مشرق سے ابھرتا پا کر، رویا تو جنگِ طرابلس کے شہیدوں پر، ہنسا تو فرنگ کو رہ گزرِ سیلِ بے پناہ میں دیکھ کر۔ یہ آدمی ایسا کیوں تھا اور ہم ایسے کیوں نہیں ہیں؟ اور وہ اگر ایسا تھا تو یہ کوئی اچھی بات تھی یا بری اور ہم ایسے نہیں ہیں تو یہ فخر کا مقام ہے یا شرمندگی کا؟ ہم اقبال کو بھی اندر سے نہیں دیکھتے اور خود کو بھی۔ اور نہ اقبال کے اقبال ہونے پر غور کرتے ہیں۔ ہم اقبال کو دکھاوے کی چیز سمجھتے ہیں۔

ہمیں اقبال کی شاعری میں ان کے انسان کو تلاش کرنا ہے۔ ہمیں گوشت پوست کے اس وجود کو ڈھونڈنا ہے جو ہماری طرح دکھ اٹھاتا، خوف اور اندیشوں میں مبتلا ہوتا، امید اور آرزو سے تڑپتا اور سب سے زیادہ ہماری ہی طرح تنہا اور ٹوٹا ہوا تھا۔ جب ہم اس انسان کو اس کے زندہ اور دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ، پہچان لیں گے تو پھر ہم یہ بھی دیکھیں گے کہ اس انسان کا ہمارے انفرادی اور انسانی وجود سے کیا تعلق ہے اور وہ ہمارے وجود کی کس سطح پر ساتھ دیتا ہے؟"

اس کے لیے ہمیں اقبال کی شاعری اور زندگی کو ایک نئے رُخ سے مطالعہ کرنا ہوگا۔ دیکھیے اقبال کے صد سالہ جشنِ ولادت پر کون اس کام کا آغاز کرتا ہے؟

محمد عبداللہ قریشی

© rasailojaraid.com